حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا دورۂ ایران

امام مسلم کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز

(قسط نمبر ۵)

غزالی کی گیارہ سالہ خلوت اور تجربات: اس کے بعد امام غزالیؒ نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ خلوت کی طرف نکلے۔ امام غزالیؒ نے خود ان حالات اور اسباب کو "المنقذ من الضلال" میں بیان کیا ہے جنہوں نے انہیں ایسا قدم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ اس طرح وہ اقلیم علم کی بادشاہی چھوڑ کر یقینی علم اور دولت باطن کی تلاش میں نکل گئے۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پلٹے۔ وہ اپنی گیارہ سال کی رہ نوردی اور اس کے تجربات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا اس کی تفصیل اور اسکا استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کیلئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے طالب صادق ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور انکے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت، اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جائے"

دوبارہ تدریسی اور اجتماعی زندگی میں: اگر امام غزالیؒ یکسوئی اور سکون و اطمینان چاہتے تو اسی خلوت و عزلت کی حالت میں رہ جاتے لیکن اللہ نے آپ سے کام لینا تھا درس و تدریس، تالیف و تصنیف اختیار کر کے خلائق کو نفع پہنچایا۔ الحاد و فلسفہ کی تردید اور عقلی و علمی طور پر اسلامی کی برتری اور صداقت ثابت کرنے کے لئے خصوصاً جب کہ اللہ نے ان کو یقین و مشاہدہ کے مقام تک پہنچا دیا تھا۔ عالم اسلام میں ان سے زیادہ کوئی موزوں شخصیت نہیں تھی۔

ماہ ذیقعدہ 499ھ کو جب کہ پانچویں صدی کے شروع میں ایک ہی مہینہ باقی تھا امام غزالیؒ نے پھر نیشاپور کا رُخ کیا لیکن اب امام غزالیؒ کی درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد اور اس سے پہلے کی تدریسی مشاغل اور وعظ و ارشاد میں کافی فرق تھا۔ پہلے نفس کے تقاضے اور طبیعت کے جذبے سے یہ سب کچھ کرتے تھے اور اب وہ خود کو معمور اور آلۂ کار سمجھتے تھے۔

غزالیؒ کے دو بڑے تجدیدی کام: امام غزالیؒ نے اس کے بعد جو کام کئے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) فلسفہ اور باطنیت کے سیلاب کا مقابلہ اور اسلام کی طرف سے اس کی بیخ کنی

(۲) زندگی ومعاشرت کا اسلامی واخلاقی جائزہ اوران کی تنقید واصلاح

امام غزالیؒ سے پہلے فلسفہ اور الحاد کا مقابلہ متکلمین کی طرف سے مدافعانہ اور جواب دہی کا تھا۔ امام غزالیؒ نے فلسفہ کی بنیادوں پر ضرب لگائی اس مقصد کے لئے انہوں نے "مقاصد الفلاسفہ" اور "تہافت الفلاسفہ" جیسی معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں۔ جس میں انہوں نے فلسفہ کے الٰہیات وطبعیات پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی۔ آپ نے فلسفہ سے آنکھیں ملا کر بجائے مدافعت اور جواب دہی کے فلسفہ پر پورا وار کیا۔ امام غزالیؒ کے فلسفے پر دلیرانہ تنقید نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک طویل زمانہ تک اضطراب اور غم وغصہ پیدا کر رکھا تھا۔

امام غزالیؒ کا دوسرا بڑا تجدیدی کام زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ تھا۔ اس سلسلے میں آپؒ کی تصنیف "احیائے علوم الدین" وہ کتاب ہے جس نے مسلمانوں کے دل ودماغ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔ اس کتاب کی اہمیت اور کمال مرتبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شیخ محمد گازرونی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائے تو میں "احیاء العلوم" سے ان کو دوبارہ زندہ کردوں گا۔ امام غزالیؒ اس کتاب کے دیباچے میں لکھنے کا سبب خود بیان کرتے ہیں" کہ میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھالیا ہے۔ اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہوگئی ہیں علماء جو دلیل راہ تھے زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے جو رہ گئے ہیں وہ نام کے عالم ہیں۔ جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا۔ اور جنہوں نے تمام عالم کو یہ یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے مناظرہ (جو فخر ونمود کا ذریعہ ہے)، وعظ (جس میں عوام کی دلفریبی کے لئے رنگین اور مسجع فقرے استعمال کئے جاتے ہیں)، فتویٰ (جو مقدمات کے فیصلے کرنے کے ذریعہ ہے)۔ باقی آخرت کا علم تو وہ تمام عالم سے ناپید ہوگیا ہے۔ اور لوگ اس کو بھول بھلا چکے یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی۔" یہ کتاب اسلام میں پہلی مفصل ومدلل کتاب ہے جس میں پوری زندگی اور بگڑے ہوئے اسلامی معاشرے کا قوت کے ساتھ احتساب کیا گیا ہے۔ اور اخلاقی بیماریوں کے عوارض واسباب اوران کا طریقہ علاج بتایا گیا۔

طوس واپسی اور وفات: فخر الملک محرم ۵۰۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا تو اس کے تھوڑے عرصے بعد امام غزالیؒ نے تدریس سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور اپنے وطن طوس واپس لوٹ کر اپنے گھر کے پاس ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں تادم وفات مصروف تعلیم وتربیت رہے۔ آپ کی زندگی کے آخری کام کے بارے میں ابن عساکر کہتا ہے کہ "ان کی زندگی کا آخری کام یہ تھا کہ وہ حدیث نبوی کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور علماء حدیث کی ہم نشینی اختیار کی اور صحیحین (بخاری ومسلم) کا مطالعہ شروع کیا جو اسلام میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔

امام غزالیؒ نے طاہران میں ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو ۵۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

ابن جوزی نے ان کے انتقال کا واقعہ ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت سے بیان کیا ہے۔

"دوشنبہ کے دن وہ صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے وضوء کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر" یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی" انا للہ وانا الیہ راجعون

مقبرۂ فردوسی: پچھلے سفر کے دوران امام غزالیؒ کے مزار سے نکل کر ایک فرلانگ پر واقع فردوسی کے مزار پر بھی

فاتحہ پڑھنے کا موقع ملا۔ فردوسی کا مقبرہ ایک خوبصورت دلکش باغ میں واقع ہے۔ جس میں سبزہ زار، رنگا رنگ پھولوں کی کیاریاں اور بیچ میں ایک بڑا مصفا پانی کا حوض ہے۔ یہ مقبرہ جو چہار گوشہ مینار والے عمارت کے اندر ہے شہنشاہ ایران رضا شاہ نے ۱۳۵۳ھ میں بنایا۔ قبر عمارت کے تہہ خانے میں ہے جس تک پہنچنے کے لئے خوبصورت سنگ مرمر کی سیڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں اور تہہ خانے کے چھت پر شیشے کا نفیس کام کیا گیا ہے۔ دیواروں پر شاہنامہ فردوسی کے زندہ جاوید کرداروں رستم اور سہراب کو مرمریں مجسموں کی صورت میں رکھا گیا ہے۔ شیخ سعدی، شیرازی اور حکیم عمر وخیام کے مجسمے بھی دیواروں کے ساتھ نظر آئے۔ فردوسیؒ کا مرقد سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے جس کے سرہانے یہ عبارت ''بنام خداوند جاں وخسرو ایں مکان فرخندہ آرام گاہ است وگویندگان فارسی زبان وسرائندہ داستانہائے ملی ایران، حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی است کہ سخنان او زندہ کنندہ کشور ایران ومزار او در دل مردم ایں سرزمین جاودان است تاریخ تولد قمری ۳۲۳، تاریخ وفات قمری ۴۱۱ تاریخ بناء آرام گاہ ۱۳۵۳ھ'' یہاں فردوسی کو سادہ کپڑوں میں ملبوس سر پر بڑا سا پگ بندا ہوا مجسمے میں دکھایا گیا تھا۔ فردوسی ایران کے عظیم شاعر کا تخلص ہے جس نے شاہنامہ میں ایران قدیم کی تاریخ نظم کر کے اس کی عظمت گزشتہ کو واضح کیا۔ موصوف کی کنیت ابوالقاسم ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ تاہم اس کے والد کے نام پر تذکرہ نویسوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ البنداری الاصفہانی نے اس کا نام حسن بن منصور لکھا، حمداللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں حسن بن علی اور دولت شاہ نے تذکرۃ الشعراء اور آتش کدہ میں حسن بن اسحٰق بن شرف شاہ لکھا۔ ان میں پہلا قول راجح قرار دیا جاتا ہے۔

فردوسی علاقہ طوس میں طائران کے قریب ایک گاؤں باژ کا رہنا والا تھا۔ اس کا باپ زمیندار تھا فردوسی کی سن ولادت کا حتمی تذکرہ بجز لوح مرقد کے کسی نے نہیں کیا۔ تاہم اس نے شاہنامہ ۴۰۰ھ ۱۰۰۹ء میں مکمل کیا۔ خود فردوسی کا قول ہے کہ

زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار نوشتم من ایں نامہ شاہوار

ایک دوسرے شعر کی رو سے وہ اس وقت 71 برس کا تھا تو گویا اس کی پیدائش کا سن 329ھ بمطابق 940ء بنتا ہے۔ تاہم لوح مرقد پر ۳۲۳ ہی نوشتہ ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ کو ۳۵ سال کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کیا اس کیلئے اسے بخارا، مرو، بلخ اور ہرات کے اسفار کرنے پڑے۔ وہ جہاں جہاں جاتا اور جس جس سے ملتا اسی جستجو میں مصروف رہتا کہ کچھ معلومات حاصل کر لے اس دوران اسے اپنے ایک دوست کے ہاں ابومنصوری کا شاہنامہ ملا جو منثور تھا۔ فردوسی نے اسی وقت سے اسے نظم کرنا شروع کر دیا۔ تاہم جدید شاہنامہ صرف ابومنصوری کے شاہنامے کا نظم نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی فردوسی نے اپنی طبع ذوق کے مطابق گرد وپیش کے واقعات دیگر کتابوں سے اس میں نظم کئے۔

فردوسی نے معاشی طور پر نہایت پریشان زندگی گزاری۔ اس کی دلیل مؤرخین کی وہ بات ہے جس میں کہا گیا ہے کہ فردوسی کی ایک بیٹی تھی جس کے بارے میں اس کا خیال یہ تھا کہ شاہنامہ مکمل کرنے پر انعام وصلہ ملے گا تو اس سے اس بیٹی کا جہیز تیار کروں گا۔ فردوسی شاہنامہ کے تکمیل کے آخری مراحل کے دوران غزنی میں مقیم تھے جہاں

وہ مختلف وقتوں میں شاہنامے کے حصے سلطان محمود غزنویؒ کو سناتا اور داد سخن پاتا۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنویؒ نے شاہنامہ کی تکمیل پر فردوسی کو وہ انعام واکرام نہ دیا جس کا وہ مستحق اور متمنی تھا۔ اسی بناء پر اس نے غزنی کو خیر آباد کہہ کر چھوڑ دیا۔ شاہنامہ میں حکومت کے قوانین وضوابط، تدابیر جنگ، تیراندازی، اسلحہ جنگ، رسم ورواج، اور دربارداری کے مراسم وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ قدیم ایران کے متعلق ایک اہم دستاویز ہے۔

شاہنامہ اللہ تعالیٰ کے حمد وثنا سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد عقل ودانش کا بیان اور پھر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا ذکر ہے۔ اس کے بعد شاہنامہ کے فراہم کرنے کا بیان ہے۔ شاہنامہ کے پچاس فصلیں ہیں۔ ہر فصل ایک بادشاہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل شاہنامہ کا مصنف کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اہل ایران فردوسی کو اپنا سب سے بڑا قومی شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ہاں علامہ اقبالؒ کا تصور ہے۔ فارسی ادب پر اس کا بڑا احسان ہے۔ فردوسی کے مقبرے کے قریب یہ اشعار نظر سے گزرے:

نمیرم ازیں پس کہ من زندہ ام — کہ تخم سخن را پراگندہ ام

بہر آں کس کہ دارد ہُش ورائے ودین — پس از مرگ بر من کند آفرین

پُر سجع کلام: گزشتہ سفر کے حالات سے نکل کر دوبارہ اپنے مقصود (موجودہ سفر) کی طرف آؤں گا۔ رات دیر تک مجلس قائم رہنے کے بعد مجلس کا اختتام نماز عشاء کی باجماعت ادائیگی پر ہوا۔ 11:30 ہم آرام کیلئے اپنے پُرانے مسکن کی طرف گئے۔ جمعرات ۱۵ رجون ۲۰۰۶ء کو علی الصبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہم سب نے رخت سفر باندھنا شروع کیا اسلئے کہ آج ہمیں اس جلسے میں شرکت کیلئے روانہ ہونا تھا جس کیلئے ہم نے اتنا طویل سفر کیا۔ ناشتہ حسب سابق میزبان کے حجرے پر کیا۔ ناشتے کے دوران میں نے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے شیخین سے کہا کہ قرضاوی کا کلام بھی پُر سجع اور قافیہ بند ہے۔ اسپر مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ بعض علماء کو اللہ نے سجع کے ملکہ سے نوازا ہوتا ہے اور ان کا کلام کبھی کبھی غیر اختیاری بھی پُر سجع ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، خطیب اسلام حضرۃ العلامہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دین پور کے مولانا صاحب (مولانا عبدالشکورؒ) اسپر ہمارے میزبان نے کہا کہ ہمارے استاد حضرت مولانا غلام اللہ خان بھی پُر سجع کلام کے بادشاہ تھے

تبرک باثار الصالحین: آج ناشتے کے دسترخوان پر جو موضوع مدار بحث بنی وہ ''تبرک باثار الصالحین'' تھی۔ موضوع کا آغاز اس طرح ہوا کہ میزبان نے مولانا سمیع الحق کو پگڑی باندھتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ آپ کی ٹوپی کافی پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے اسے بدل دیں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کو اس ٹوپی کی قدر و قیمت اور اہمیت کا کیا پتہ؟ یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس اللہ سرہ کی ٹوپی ہے۔ ان کی وفات کے بعد اس ٹوپی کے حصول کے لئے بہت سارے لوگوں نے ہاتھ پیر مارے لیکن حق بحق دار رسید۔ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ان کے علمی، دینی اور روحانی جانشین ہیں۔ سو اس کے حقدار بھی وہی ٹھہرے۔ قارئین کے علم کے لئے بتاتا چلوں کہ یہ سبز رنگ کی ترکستانی ٹوپی ہے

جسے جد مکرم رحمہ اللہ آخری عمر میں پگڑی کے نیچے استعمال کرتے ،اور وفات کے وقت بھی سر پر پہنے ہوئے تھے۔اس ٹوپی کے اندر تعویزات ہیں جو زیادہ تر حضرتؒ نے اپنے لئے تجویز کر کے خود قلمبند کئے۔یقینی طور پر تو نہیں البتہ غالب گمان ہے کہ اس میں حضرت مدنیؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور بعض دیگر اجلّہ علماء اور صوفیاء کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تعویزات بھی ہیں۔ان کی زندگی میں آپ کے حلقۂ احباب اس ٹوپی کی اہمیت کو سمجھ بیٹھے تھے۔اس لئے ان کی وفات کے بعد بہت سارے لوگوں کی خواہش وتمنا اس کے حاصل کرنے کی تھی۔اب مولانا سمیع الحق صاحب بھی اس ٹوپی کو خود سے کبھی جدا نہیں کرتے۔کبھی سر پر رکھنا بھول گئے اور طویل سفر کرنے کے بعد یاد آگئی تو گھنٹوں طے شدہ سفر منقطع کر کے دور دراز سے واپس آکر ٹوپی ساتھ لے کر گئے۔

<u>شیخ الحدیث قدس سرہ کی ٹوپی کی چوری اور چوروں کی بے چینی:</u> ایک دفعہ دس بارہ برس قبل ایک شخص اس ٹوپی کو مولانا سمیع الحق کے مہمان خانے سے لے اُڑا،اس پر مولانا بہت مغموم اور پریشان تھے۔مہینہ بھر گزرنے کے بعد صوابی کا ایک عالم دین مولانا روح الامین بجلی گھر ثانی مرحوم نے اس ٹوپی کو لا کر کہا کہ اس ٹوپی کی پوری داستان تو بعد میں سناؤں گا کہ یہ مجھ تک کس طرح پہنچی۔لیکن پہلے آپ اسکی منہ مانگی انعام کی حامی بھریں۔مولانا سمیع الحق نے اسے کہا کہ جو مانگتے ہو مانگو میں دوں گا لیکن یہ ٹوپی مجھے لا کر دے دو۔مولانا سمیع الحق نے اسے منہ مانگا انعام کئی کلاشنکوفوں کی شکل میں دے کر ٹوپی وصول کر لی۔ پھر موصوف نے سارا قصہ سنایا کہ میرے پاس یہ ٹوپی دو تین چور اور لٹیرے لائے۔انہوں نے مجھے بتایا کہ اس ٹوپی نے ہمیں کئی دن سے سختی اور عذاب میں ڈال رکھا ہے ہم ہر وقت بے چین رہتے ہیں ہم نے اسے علاقہ گدون یا صوابی میں ایک سوتے ہوئے شخص کے سرہانے سے اُڑایا اس میں بٹوا،اور کچھ روپے بھی تھے جو ہم نے لے لئے اور اس ٹوپی کو ایک ویرانے میں پھینک آئے۔لیکن جب واپس ہوئے تو مسلسل ہمارے دل ودماغ پر یہ ٹوپی مسلط رہی۔آخر تنگ آکر ہم نے اسے ویرانے میں دفن کر دیا۔پھر بھی ہمیں چین نہ آیا تو سوچا کہ اس ٹوپی میں ضرور کوئی بات ہے۔لہذا اسے کسی عالم دین کے سپرد کر دینے کا خیال آیا اور اب اس طرح آپ تک پہنچے ہیں۔مولانا روح الامین بجلی گھر ثانیؒ اس ٹوپی کو حضرت شیخ الحدیثؒ کے سر پر اور بعد میں مولانا سمیع الحق کے سر پر بارہا دیکھ چکا تھا۔سو وہ اسے مولانا سمیع الحق کے پاس لے آیا۔حق بحق دار رسید

ہمارے میزبان فاضلی نے کہا کہ اب تک تو مجھے اسکی قدر واہمیت کا پتہ نہیں تھا اب معلوم ہوا تو اب میں اسے ضرور چراؤں گا اسلئے کہ یہ ہمارے شیخ کی ٹوپی ہے'میں نے انہیں کہا کہ پھر آپ بھی ان چوروں کی طرح بے چین ہونگے اور خود ہی آکر پاکستان پہنچا ئینگے مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑی بابرکت ٹوپی ہے افسوس کہ بعض لوگ تبرک سے انکار کرتے ہیں نہ معلوم کہ وہ لوگ کس طرح ان روایات سے صرف نظر کرتے ہیں جن سے تبرک ثابت ہے

<u>چند کھجوروں میں برکت:</u> مولانا سمیع الحق نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں تھوڑی سی کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ

انہیں اپنے تھیلے میں رکھ لو جب اس میں سے لینے کا ارادہ کرو تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو اور اس کو جھاڑ کر بالکل خالی مت کرنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور برسوں اس میں سے خرچ کرتا رہا۔ اس میں سے کھجورے نکال کر فروخت کر کے ان کی قیمت سے اللہ کی راہ میں سواریاں بھیجیں اور کھاتا بھی رہا۔ اس تھیلے کو میں اپنی کمر سے باندھے رکھا کرتا تھا حتی کہ جس روز حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ تھیلا گر کر کہیں ضائع ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے روز حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے وللناس همّ ولی همان هم الجراب وهم الشيخ عثمانا، ''میرا غم دوہرا ہے جب کہ لوگوں کا ایک، ایک تو جراب مبارک کی گمشدگی اور دوسرا شیخ عثمان کی جدائی (دونوں ناقابل برداشت)'' تقریباً ۲۵ برس تک حضرت ابو ہریرہؓ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

موئے مبارک: مولانا شیر علی شاہ نے اس پر اضافہ فرماتے ہوئے کہا کہ اسی طرح ہارون الرشید کے ایک وزیر کے ساتھ رسول اقدس ﷺ کا موئے مبارک تھا وہ ہزاروں دینار اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس کا دیدار کرتا اور جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت اور خیال رکھتا۔ ایک دن اس نے ہارون الرشید سے کہا کہ آقا آپ کی جو خدمت ہو میں بجالانے کیلئے تیار ہوں ہارون الرشید نے اسے کہا کہ تم میری خدمت بجا نہیں لا سکتے اس پر وزیر نے کہا کہ میں سر تن کی بازی لگا سکتا ہوں آپ کچھ کہہ کر تو دیکھیں؟ ہارون الرشید نے اس موقع پر اس وزیر سے رسول اقدس ﷺ کا وہ موئے مبارک طلب کیا۔ چونکہ وزیر اس سے قبل سب کچھ کر گزرنے کا وعدہ کئے ہوئے تھا اسلئے چاروناچار اسے یہ موئے مبارک دینا پڑا۔ ہارون الرشید نے اس وزیر سے کہا کہ یہ موئے مبارک میں نے اس لئے حاصل کیا ہے کہ جب میں مرجاؤں تو اسے میری آنکھوں میں رکھ دیا جائے تا کہ اس طرح میں عذاب سے بچ سکوں اور کہا وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔

نعلین مبارک: مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک اپنے ساتھ محفوظ رکھے تھے اور کبھی کبھی وہ اسے نکال کر شاگردوں کو دکھاتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین ہیں۔ وہ نعلین آپ ﷺ کے قدمین مبارک سے مس ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اسے دل وجان سے لگا کر رکھتے تھے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی یادیں تازہ کرتے تھے۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب نے اس پر مزید فرمایا کہ اگر کسی عورت کا بچہ مرجائے تو مدتوں بعد بھی ماں اپنے بچوں کے کپڑے نکال کر اسے سونگھتی ہے اور اسمیں اپنے بچے کی خوشبو پاتی ہے۔ اسی کو عشق ومحبت کہتے ہیں۔

واذا قيل للمجنون ارض اصابها　　غبار ثرى ليلى لجد واسرعا

لعل يرى شيئا له نسبة بها　　يعلل قلبا كان ان يتصدعا

تبرک کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اسے مؤثر اور خالق ومالک وقادر سمجھتے اور مانتے ہیں بلکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس چیز سے محبت رکھے جس سے محبوب کا تعلق ہو۔

ناچیز نے کہا کہ امام احمد ابن حنبلؒ بھی رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو اپنے آستین کے جیب میں ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے اور کہتے کہ جب میں مرجاؤں تو یہ میری آنکھوں میں رکھا جائے فتنہ خلق قرآن کے دوران جب انہیں بغداد کے

چوک میں کوڑے مارے جارہے تھے تو اس دوران بھی آپ اپنی نگاہیں آستین میں رکھے ہوئے موئے مبارک کی طرف بار بار لے جاتے۔ اسلئے کہ انہیں خدشہ تھا کہ یہ گر جائیگا۔ اسی کو وہ اپنے لئے اثاثہ اور قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے۔

متبرک تابوت: میں نے بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ سے تفسیر میں سنا ہے کہ جب حضرت شموئیل علیہ السلام نے طالوت کو سردار اور بادشاہ بنایا گیا تو لوگوں نے اس کی غربت کی وجہ سے اس پر اعتراض کیا کہ اسے کیوں ہمارا حاکم بنایا گیا ہے؟ تو لوگوں کو مطمئن کرنے کیلئے بتایا گیا کہ یہ من جانب اللہ مقرر ہوئے ہیں۔ اور اس کی نشانی اور دلیل وہ تابوت ہے جس میں تبرکات ہیں۔ ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مماترک ال موسیٰ وال ھرون۔ اس تابوت میں موسیٰ علیہ السلام کی عصا حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات تھے۔ اس تابوت کی برکت یہ تھی کہ یہ جس کے پاس ہوتا تو وہ فتح یاب ہوتا۔ اس تابوت کو مسلمانوں سے عمالقہ نے قبضہ کیا اور پھر اس کی بے ادبی کر کے جان چھڑانے کیلئے اسے بیل گاڑی میں لادا اور پھر اسے فرشتے حضرت طالوت کی نشانی کے طور پر لائے۔

تبرکات کے بحث نے کافی طول پکڑا اس دوران ہمارے میزبان نے تیبا دجانے کی تیاریاں مکمل کیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گیارہ بجے ہم سب ساتھی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

احاطہ امام رضا کا انڈر گراؤنڈ وسیع پارکنگ اور بیرونی منظر: مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہم تو مشہد کے تاریخی مقامات مرقد امام رضا اور مسجد گوہر شاد پہلے دیکھ چکے ہیں تاہم مولوی صاحب حسین پہلی دفعہ آئے ہیں۔ لہذا مشہد نکلنے سے قبل اسے مسجد گوہر شاد اور مرقد امام رضا دکھانا ضروری ہے۔ ڈرائیور سے کہا کہ پہلے وہیں چلیں۔ 11:30 بجے ہم مرقد امام رضا کے انڈر گراؤنڈ پارکنگ ایریا پہنچے یہ نہایت ہی وسیع وعریض انڈر گراؤنڈ پارک تھا۔ جس کی مزید تعمیر اور توسیع بھی جاری تھی۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب نے دیکھ کر بڑا تعجب فرمایا اور کہا کہ یہ تو گویا حرم شریف کے انڈر گراؤنڈ پارک کا نقشہ ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ حضرت آپ نے چالیس برس قبل دوران سفر حج مرقد امام رضا دیکھا تھا اب تو یہاں کا نقشہ کچھ اور ہے۔ ہم اوپر جا کر دیکھیں گے تو آپ کے تعجب میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ زیر زمین پارکنگ سے اوپر جانے کے لئے خود کار سیڑھیاں چل رہی تھیں۔ اوپر پہنچے تو دور دور تک وسیع وعریض میدان نظر آرہا تھا جس کے آخری سرے پر بلند وبالا میناروں والی قدیم عمارتیں مسجد گوہر شاد اور درگاہ امام رضا نمایاں تھے۔ ہمیں میزبان نے بتایا کہ اس طرح کے وسیع وعریض پانچ صحن امام رضا کے مرقد کے اردگرد تعمیر کئے گئے ہیں تاکہ زائرین کو رش کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ صحن کے ایک کونے پر ہم سب ساتھیوں نے وضوء بنایا۔ بیت الخلاء اور وضوء کیلئے یہاں بہترین انتظامات کئے گئے تھے۔ ناچیز نے کتابوں میں اہل تشیع کا پاؤں پر مسح کرنے کے بارے میں پڑھا تو تھا لیکن آج اسے عملاً دیکھنے کا موقع ملا۔ چونکہ ہم اہل سنت تھے اس لئے پاؤں دھوئے۔ اردگرد کے اہل تشیع ہمارے اس فعل کو تعجب سے گھورتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مرقد امام رضا سے قبل ہم مسجد گوہر شاد دیکھنے کے لئے داخل ہوئے۔

مسجد گوہر شاد: گوہر شاد بیگم امیر تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ کی بیوی ان نامور خواتین میں سے ہے جن کا تدبر

اپنے زمانے میں ضرب المثل تھا۔ تمام ماخذ کے رو سے ان کا نام علم وفن کے عظیم قدردانوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ شاہ رخ کے تحت نشینی کے بعد اس نے مشہد کو خوبصورت بنانے کے لئے بڑی کوشش کی اس کی بیوی گوہر شاد بیگم نے بادشاہ کے نیک عزم کی تکمیل میں بڑی عالی ہمتی اور بلند نظری کیساتھ ان کا ساتھ دیا۔ اس نے یہاں علی ابن موسیٰ الرضا کے قبے کے نزدیک عالیشان مسجد جامع تعمیر کروائی جو اپنے فنی کمال کے ساتھ آج موجود ہے۔ اس کا شمار دنیا کی عمدہ ترین مساجد میں ہوتا ہے۔ ۸۲۱ھ مطابق ۱۹۔۱۴۱۸ء کو یہ مسجد مکمل ہوئی۔ مسجد کے دروازے کے محراب پر ملکہ کے بیٹے مرزا بایسنغر کے ہاتھ کا خط ثلث کا کتبہ ہے جس کے آخر میں لکھا ہے کتبہ راجیا الی اللہ بایسنغر بن شاہ رخ بن تیمور گورگان فی ۸۲۱ھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کنبہ بڑا باذوق تھا مسجد جامع کا فنی حسن بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔ راھنمائی مشہد میں لکھا ہے کہ بدون شک جامعی است کہ ہیچ یک از مساجد ایران با آن نمیتو اند سر برابری داشتہ باشد۔ ہیچ وقت از نماز گزار وعبادت کنندہ خالی نیست، گوہر شاد آغا ہمسر مرزا شاہ رخ پسر تیمور با این اقدام نام خود را در تاریخ عالم اسلام مخلد وجاویداں ساختہ است، مسجد گوہر شاد از جنبہ قدمت تاریخی وزیبائی ساختماں وظرافت بنا وکاشیھاے نفیس وقیمتی کہ دارد یکی از جالب توجہ ترین بناھای مذہبی اسلام بشمار میرود۔

احاطہ امام رضا میں مسجد کے علاوہ گوہر شاد نے دو بڑے ایوان بھی تعمیر کرائے تھے جو دارالحفاظ اور دارالسیادت کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بھی نفیس کاشی کاری سے مزین ہے۔ اگرچہ مسجد گوہر شاد قانونی طور پر درگاہ سے علیحدہ ہے لیکن حقیقت میں اس سے مربوط ہے۔ اس کا جنوبی صحن مرقد رضوی میں محسوب ہوتا ہے۔ اور اس کے باعث ان صحنوں کا حسن وجمال ووقار اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ مسجد گوہر شاد میں ایک محراب شیشے کے شوکیس کے اندر رکھا ہوا نمایاں نظر آرہا تھا ہمارے میزبان نے ہمیں بتایا کہ یہ منبر اہل تشیع نے امام مہدی کے لئے رکھا ہے کہ وہ تشریف لاکر اس منبر پر بیٹھ کر وعظ وخطاب فرمائیں گے۔ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون۔

<u>مرقد امام رضا:</u> مسجد گوہر شاد سے نکل کر ہم مرقد امام رضا کی طرف بڑھے۔ مسجد گوہر شاد سے امام رضا کی مرقد تک زائرین کے چلنے اور بیٹھنے کیلئے صحن میں سرخ قیمتی ایرانی قالین بچھائے گئے تھے۔ ہمیں باہر صحن ہی سے اندر بہت زیادہ رش ہونے کا اندازہ ہو چلا۔ زائرین میں چھوٹے بڑے مرد، عورت، جوان، بوڑھے، تعلیم یافتہ، سادہ دل دہقان اور غریب چرواہے غرض ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ امام رضا کے مزار کے عین اوپر کے گنبد کی بیرونی سطح پر اور محراب نما دروازوں پر سونے اور چاندی کا کام ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی عمارت ایسی ہو جس کی تعمیر وتزئین میں اتنا سونا چاندی اور شیشہ استعمال کیا گیا ہو جتنا کہ یہاں ہوا ہے۔ اس کا سنہری گنبد اور جاذب نظر مینار سارے شہر کی فضاء پر چھایا ہوا تھا۔ ہر دور میں احاطہ مرقد امام رضا میں نت نئے اور بیش بہا اضافے ہوتے رہے۔ تیموریوں نے اس کے حسن اور دلکشی کو بڑھایا تو صفوی خاندان کے شاہ طہماسپ اول اور عباس اعظم نے اس کی تعمیر وترقی میں نمایاں کردار انجام دیا۔ پہلوی حکومت نے بھی اس کی رونق بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انقلاب کے بعد تو شاید اس کی تعمیر وترقی کے لئے ایک مستقل وزارت قائم کی گئی ہے۔..... ظہر کی نماز کا وقت قریب تھا اس لئے زیادہ تر لوگوں نے صف بندی بھی کر لی تھی

جس کی وجہ سے اندر پہنچنے میں ہمیں کافی دقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم مسجد گوہر شاد کے عقب کی طرف سے مزار کے احاطے میں داخل ہوئے تھے اسلئے ہمیں اندر پہنچ کر دائیں طرف مڑ کر مشہد امام رضا پہنچنا تھا۔ یہاں رش اتنی تھی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اس لئے میں آگے بڑا اور شیخین کے لئے راستہ بناتے ہوئے پہلے مرقد امام رضا پہنچا۔ سینکڑوں لوگ قبر سے لپٹے ہوئے آہ و بکا کر رہے تھے۔ بیسوں چیختے ہوئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور درجنوں قبر کی جالی کے بے تحاشہ بوسے لے رہے تھے۔ کئی لوگ قرآن خوانی کر رہے تھے۔ اور کئی کتابچے کی مطبوعہ دعائیں پڑھ رہے تھے۔ امام رضا کے قبر کی سطح زمین سے تقریباً چار پانچ فٹ اونچی تھی۔ اور اس کے اردگرد سنہرا جالی نما خول بنایا گیا تھا۔ قبر دیکھنے کیلئے جالی کے اندر جانکنا پڑا۔ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ یہاں بہت سارے لوگ خدا اور خدا کی خدائی کو چھوڑ کر امام رضا کو پکار رہے تھے اور اس سے اپنی دلی مرادیں پورا کروانے کے طالب تھے۔ حتی کہ بعض لوگ تو قبر کے اردگرد خانہ کعبہ کے طرز پر طواف میں بھی مشغول نظر آئے۔ ویسے بھی تو اس کا نام حرم شریف کی طرح حرم مشہد رکھا گیا ہے۔ اس مقام پر یہ تمام چیزیں قابل فکر و غور اور محل نظر ہیں۔ وطن عزیز میں بھی اولیائے عظام کے مزارات پر غیر شرعی رسومات کی بھرمار ہے۔ بعض مقامات پر تو سر عام سجدے اور طواف ہوتے ہیں۔ علماء کرام کو اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے ورنہ تو اس سے شرک کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک ویغفر مادون ذلک لمن یشاء۔

<u>مرقد ہارون الرشید:</u> یہاں ہر شخص صرف امام رضا کے فاتحے اور زیارت کیلئے آرہا تھا لیکن شاید بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہی دنیائے اسلام کے عظیم خلیفہ ہارون الرشید کا مرقد بھی ہے۔ عباسی حکمرانوں میں خلیفہ ہارون الرشید کا عہد بہت شاندار تھا۔ یہ نامور خلیفہ بمقام رے پیدا ہوا جس کے والد کا نام مہدی اور والدہ کا نام خزران تھا۔ ہارون الرشید کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام اس طور پر کیا گیا کہ ہرفن کے مجتہدین ہارون الرشید کو جدا جدا پڑھاتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ آج تک کسی بادشاہ نے حصول علم کے لئے سوائے خلیفہ ہارون الرشید کے سفر اختیار نہیں کیا۔ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوس فرما ہوا۔ اس رات کا عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک خلیفہ نے وفات پائی، دوسرا مسند خلافت پر بیٹھا اور تیسرا خلیفہ (مامون الرشید) پیدا ہوا۔ فتوحات کے لحاظ سے ہارون الرشید کا زمانہ بہت مشہور ہے۔ اہل روم نے جب ایرینی کے بجائے نقفور کو شہنشاہ بنایا تو اس نے ایک خط کے ذریعے وہ تمام رقم واپس دینے کا مطالبہ کیا جو کہ انہوں خراج کے طور پر مسلمانوں کو ادا کیا تھا۔ اس پر نقفور کے نام جو جوابی الفاظ ہارون الرشید نے قلم بند کئے وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں اور وہ یہ تھے

من ھارون امیر المؤمنین الی نقفور کلب الروم قد قراءت کتابک یا ابن الکافر و الجواب ماتراہ دون ما تسمع،

چنانچہ ہارون نے اسی وقت فوجی تیاری کر کے لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوا۔ اور نقفور کو متواتر شکستیں دیں۔ رومی شہنشاہ نے مجبور ہو کر آخر کار صلح کی۔ ہارون الرشید میں وہ تمام خصائل مجتمع تھے جو ایک پاک باز اور دین دار بادشاہ میں ہونے

چاہئے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ''ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانرواں کو نصیب نہیں ہوئیں۔'' وہ روزانہ فرائض کے علاوہ سو رکعتیں نفل پڑھ کر سوتا تھا۔ ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتا تھا۔ یا تین صد اشخاص کو اپنی جیب خاص سے رقم ادا کر کے حج کو بھیجتا تھا۔ غیر مسلموں کیخلاف جہاد کرنے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔

اس کے مزاج میں نرمی بہت تھی ذرا سی نصیحت کی بات سنتا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ ایک بار مشہور عالم ابن سماکؒ اس کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے ہارون کو پیاس لگی پانی لایا گیا لیکن جیسے ہی منہ لگانا چاہا ابن سماکؒ نے روک کر پوچھا کہ سچ سچ بتائیے اگر یہ پانی آپ کو نہ ملے تو شدت پیاس میں آپ اس پانی کو کس قیمت تک خرید سکیں گے؟ ہارون نے کہا آدھی سلطنت سے، اس کے بعد جب پانی پی چکا تو پھر ابن سماکؒ نے پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن میں رُک جائے اور کسی طرح نہ نکل سکے تو علاج پر آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟ ہارون نے کہا کہ باقی کی تمام سلطنت دے کر۔ یہ سن کر ابن سماکؒ نے کہا کہ جس بادشاہت کی قیمت ایک گلاس پانی سے بھی کم ہو وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے لئے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے۔ اس پر ہارون الرشید اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بند ہوگئی۔

ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے دجلہ سے ایک نہر مکہ مکرمہ تک کھدوائی جس سے حرمین شریفین میں پانی کی تکلیف دور ہوگئی۔ یہ نہر آج تک نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے جس کے آثار آج بھی مکہ کے باہر منیٰ اور عرفات کی طرف نظر آتے ہیں۔ ہارون الرشید کے زمانے میں امام ابو یوسفؒ کے ہاتھوں حنفی فقہ کی تدوین کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ ہارون کے عہد کے ممتاز علماء میں سے امام مالک ابن انس، امام لیث ابن سعد، امام ابو یوسف، امام شافعی، عیسیٰ بن یونس، ابراہیم موصلی اور کسائی شیخ النحو رحمہم اللہ نے اپنی علمی کارناموں کے باعث بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

۲۳ برس کی سلطنت کے بعد ۱۹۳ھ میں ہارون الرشید نے مشہد میں اسی مقام پر وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ جہاں آج لوگ دنیا بھر سے امام رضا کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

ایک شاعر دعبل نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا اس پر ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ماینفع الرجس من قرب الذکی ولا

علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

مجھے اس ہجو سے غرض نہیں فقط ناظرین کو بتانا ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک مقام پر دفن ہیں۔ شاید اہل تشیع یہاں ہارون کی نام کی تختی لگانا مناسب نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اس عمل سے تاریخی حقیقت کو تو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

پچھلے دورۂ ایران کے دوران ہمیں مزار سے ملحق قدیم مرکزی لائبریری اور میوزیم دیکھنے کا موقع بھی ملا تھا۔ اس کا تھوڑا بہت ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

<u>گنجینۂ قرآن:</u> گنجینۂ قرآن کے نام سے ایک شعبے میں قدیم قلمی قرآن پاک کے پانچ ہزار نسخے محفوظ کئے گئے ہیں۔ جزئی اور تفصیلی طور پر تو اسے دیکھنے کیلئے کافی وقت درکار تھا تاہم ہمیں یہاں قدیم قلمی قرآن پاک کے نسخوں سے آنکھوں کو منور کرنے کے لئے ایک گھنٹہ ملا۔ یہاں ہم نے حضرت سیدنا امیر المؤمنین علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے

مبارک ہاتھوں سے لکھے ہوئے قرآن پاک کے نایاب نسخے ملاحظہ کئے۔ایک قلمی قرآن پاک ایسا بھی نظر سے گزرا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر صفحہ کی ابتداء میں ''و'' سے ہوئی ہے تو اس کی انتہائی لائن بھی ''و'' سے شروع تھی۔اسی طرح اگر کسی صفحے کا تیسرا لائن ''ل'' سے شروع تھا تو آخر کی طرف سے تیسری لائن بھی ''ل'' سے شروع تھا۔اگر صفحے کی چوتھی لائن ''ذلک'' سے شروع تھی تو آخر کی طرف سے چوتھی لائن بھی ''ذلک'' سے شروع ہوتی تھی۔اس شعبے میں بیضاوی، کشاف، جلالین، مدارک وغیرہ تفاسیر کے قلمی نسخے بھی اہتمام کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔یہاں ظہیر الدین بابر کے ایجاد کردہ خط سے لکھا ہوا قرآن بھی موجود ہے۔

قالین میوزیم: قالین بانی میں ایران دنیا بھر میں ضرب المثل ہے۔اس شعبے میں قدیم قالین محفوظ کئے گئے ہیں۔یہاں ایک قالین جو تقریباً 10 فٹ چوڑا اور 12 فٹ لمبا تھا پر مکمل سورۃ رحمٰن مختلف رسم الخطوں کے ساتھ فریم نما چوکٹوں میں لکھی گئی تھی۔اس شعبے میں احاطۂ امام رضا کا مکمل پلاٹینم سے بنا ہوا ماڈل بھی دیکھا۔جا بجا زیورات سے مزین طاقچوں میں ناصر الدین شاہ قاچار کا نشان وتمغہ اور نادر شاہ کی مرصع تلوار، گراں بہا موتیوں کے ہار، اور آرائشی اشیاء رکھی ہوئی ہیں۔اور بھی بے شمار قابل دید اشیاء ہیں جن کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئے۔

ہدایا راہبری: میوزیم کے اس شعبے میں دنیا بھر کے بادشاہوں کی طرف سے جو تحائف اس درگاہ کے لئے بھیجے گئے ہیں وہ اہتمام کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔غالباً ہمارے سابقہ صدر غلام اسحٰق کا بھیجا ہوا کوئی ہدیہ بھی یہاں پڑا تھا۔

کتب خانہ رضوی: کتب خانے کے دروازے پر یہ اشعار کندہ نظر آئے:

اگر ہست مرد از ہنر بہرور ہنر خود بگوید نہ صاحب ہنر

علم از بہر دین پروردن است نہ از بہر دنیا خوردن است

یہ کتب خانہ ایک نہایت ہی گراں بہا علمی اور ثقافتی سرمایہ ہے۔اس کتب خانے میں گیارہ سو سالہ قدیم کتب محفوظ ہیں۔یہاں تقریباً چالیس ہزار سے زیادہ قلمی کتب، دو ملین مطبوعہ کتب اور بیس ہزار تین سو سے زائد اخبارات وجرائد، حکم نامے، قرضوں کے لین دین سے متعلق کاغذات، سرکاری خطوط، اور اس درگاہ کے متعلقہ بیس ہزار دستاویزات محفوظ ہیں۔کتب خانے کے تزئین وآرائش کیلئے مصورانہ خطاطی سے استفادہ کیا گیا ہے۔اس کتب خانے کا تھیٹر ہال اسلامی فن معماری کے مطابق بنا گیا ہے۔

کمپیوٹرائز کتب خانہ: کمپیوٹرائز سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے جملہ کتابوں کی تفصیلات کمپیوٹر میں جمع کئے گئے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کتب خانے کے ایک مقام پر بیٹھ کر کمپیوٹر کے ذریعے کتب خانہ میں موجود کتاب کو طلب کرنے کے لئے ماؤس پر کلک کریں تو وہ مطلوبہ کتاب آپ تک ایک ٹریک کے ذریعے خود بخود سات منٹ کے اندر پہنچ آئے۔ فیاللعجب اس کتب خانے کی یہی بات ہمارے لیے انوکھی تھی۔شاید دنیا میں بہت کم لائبریریاں اس جدید سسٹم کی حامل ہو۔..... (جاری ہے)